ریت سے روح تک

شہزاد احمد، پچھلے برس، دفتر آئے تو اپنی کتاب دے گئے۔ عنوان دلچسپ تھا۔ ''ریت سے روح تک''۔ سٹڈی میں لے کر آیا۔ اور پھر وہ کتابوں کے ہجوم میں گم ہوگئی۔ چند دن پہلے، سٹڈی میں بیٹھا، کتابوں کو ترتیب سے رکھ رہا تھا کہ یہ کتاب دوبارہ نظر آئی۔ پڑھنی شروع کر دی۔ کمال نسخہ تصنیف کیا گیا ہے۔ شہزاد احمد نے واقعی بہاولپور کے متعلق لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ کمال تحریر، سادگی اور محبت سے مزین، یہ کتاب بہرحال پڑھنے کے لائق ہے۔ دو تین دن میں ''ریت سے روح تک'' ختم کر ڈالی۔ پھر ارادہ کیا کہ اس تحریر کو تمام پڑھنے والوں کے سامنے رکھا جائے۔ چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ برادرم حسن نثار نے اس کتاب کی بابت لکھا ہے: صحرا روح کی طرح پراسرار ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں یہ دونوں ہم زاد تو نہیں؟ شہزاد احمد حمید شاید اسی سوال کے جواب کی تلاش میں اپنی آوارہ مزاج روح کے ساتھ صحرا کے سفر پر روانہ ہے۔ موضوع اور مصنف دونوں ہی خوب ہوں، خوبصورت ہوں تو سونے پہ سہاگہ ہو جاتا ہے۔

مصنف لکھتا ہے۔ ''محبت اور بھائی چارے کی ایسی فضا تھی کہ قیام پاکستان کے وقت بہاولپور ہندوستان کی واحد ریاست تھی جہاں کوئی بھی قتل نہ ہوا اور دنگا فساد نہ ہوئے۔ امیر بہاولپور سر صادق محمد خان عباسی نے لیز پر برطانوی حکومت سے ریل گاڑیاں حاصل کر کے لوگوں کو ہندوستان پہنچایا یا ہندوستان سے پاکستان لایا گیا۔ جب آخری امیر آف بہاولپور میجر جنرل سر محمد صادق خاں عباسی خامس کے والد کا انتقال ہوا تو وہ چار برس کے تھے۔ حکومت برطانیہ انہیں انگلینڈ لے گئی۔ وہ بکنگھم پیلس میں رہے۔ انہوں نے اور موجودہ ملکہ برطانیہ نے اکٹھے تربیت پائی۔ یہی وجہ ہے کہ نواب صادق کے انتقال پر پرنس فلپس بھی جنازے میں شرکت کے لئے آئے تھے۔

عجائب گھر: عجائب گھر کی دیواروں پر لگی تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کی بعض نایاب تصاویر بیتے سالوں کی کہانی ہی بیان نہیں کرتیں بلکہ ہماری تاریخ کا اہم ریکارڈ بھی ہیں۔ عجائب گھر کا یہ حصہ ہر خاص و عام کی توجہ کا حامل ہے۔ تحریک پاکستان کے نامور راہنماؤں، اہم ملاقاتوں، فیصلہ ساز لمحوں کی یادگار تصاویر آپ کو ماضی میں جھانکنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہیں۔ بلیک اینڈ وائیٹ تصاویر میں جو جیسا ہے ویسا ہی نظر آتا ہے۔ کسی نے رنگین تصاویر کا ملمع نہیں اوڑھ رکھا۔ قیام پاکستان کے بعد کی تصاویر میں نواب سر صادق محمد عباسی، پرنس فلپس (ملکہ برطانیہ کے شوہر)، سابق گورنر پنجاب نواب محمد عباس خان عباسی، سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو، بہاولپور ہاؤس دہلی، نواب صادق عباسی کے بیٹے کی شادی کے موقع پر ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے آئے نوابوں کی یادگار تصاویر، صادق گڑھ پیلس کے مختلف کمروں اور مواقع کی نایاب تصاویر دیکھنے والے کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس عجائب گھر کی خاص بات عجائب گھر کا وہ حصہ ہے جہاں چولستانی ثقافت کو اجاگر کرنے کے لئے مقامی سکولز اور کالجز کے بچوں کے بنائے ہوئے مختلف خاکے رکھے ہیں جو ان کی اپنے علاقے سے محبت کے آئینہ دار ہیں۔ یہ شاید دنیا کا واحد عجائب گھر ہے جس میں ایسی سہولت میسر ہے۔ اس گیلری کے قیام کا سہرا ڈائریکٹر میوزم حافظ حسین احمد مدنی کو جاتا ہے۔ جن کا کہنا ہے: ''کہ ایسے مقابلے بچوں میں اپنی دھرتی اور ثقافت سے محبت کے اظہار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا پلیٹ فارم بھی ہیں''۔

اچ شریف: ''راجہ حوذ'' کے صوبیدار پیچ نے یہاں ایک بڑا تالاب اور قلعہ تعمیر کروایا تھا جس کے نشان بھی اب نہیں رہے۔ قدیم مندر اور مزارات یہاں کی عظمت کے گواہ ہیں۔ ابن بطوطہ اس شہر کا ذکر اپنے سفرنامے میں یوں کرتا ہے ''اچ دریائے سندھ کے کنارے واقع ایک بڑا اور خوبصورت شہر ہے۔ بازار عمدہ، مضبوط عمارتیں اور آب و ہوا صحت مند ہے''۔ ان کا ایسا کہنا مبالغہ نہ تھا۔ آج بھی یہاں کی آب و ہوا عمدہ ہے گو ماحولیاتی آلودگی نے ادھر کا رخ کر لیا ہے۔ قدیم شہر ہونے کی وجہ سے مندروں، مزاروں اور مقبروں کے سلسلے دور تک پھیلے اس کی عظمت رفتہ کے گواہ ہیں۔ روایت کے مطابق ہندوؤں کی مشہور ''اوشا دیوی'' کا مندر بھی یہیں تھا۔ یہ شہر اولیاء اکرام کا مسکن تھا۔ ان میں سے اکثر بخارا (ترکمانستان) سے آئے۔ سادات خاندان کے حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کا بڑا نام اور مقام ہے۔ اس شہر کی شہرت میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کا بڑا حصہ ہے۔ اچ گیلانی کے حضرت شیخ بندگیؒ بھی سلسلہ رشد و ہدایت کے ہراول دستے میں شامل تھے۔ شیخ رضی الدینؒ اور مخدوم جہانیاںؒ بھی آپؒ کے بڑے قدردان تھے۔ یہاں کی اہم عمارات میں حضرت سرخ پوش بخاری، حضرت جہانیاں جہاں گشت، بی بی جیوندیؒ کے مزارات، حضرت علیؓ کے پاؤں مبارک کا نشان، مسجد اچ گیلانی و حضرت سرخ پوشؒ قابل ذکر ہیں۔

سرائیکی زبان: ہندوستان کی قدیم زبانوں پر تحقیق کرنے والے ماہرین اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ سرائیکی یہاں کی قدیم زبان ہے اگرچہ اس کا دائرہ اثر ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے لیکن اس زبان کا اپنا ایک مخصوص خطہ بھی ہے جسے ''سرزمین ملتان'' کا نام دیا گیا ہے۔ وادی سندھ کے تاریخی پس منظر کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سرزمین ملتان نے تہذیبی اور لسانی اعتبار سے ہمیشہ اپنی انفرادیت قائم رکھی۔ زمانہ قدیم میں اس خطے کی زبان اتنی ترقی یافتہ تھی کہ اس میں تصنیف و تالیف کا کام آسانی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ ریگ وید کا شمار برصغیر کی قدیم کتابوں میں ہوتا ہے اس مذہبی کتاب کا بیشتر حصہ ملتان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں تصنیف ہوا۔ آریاؤں کی آمد سے قبل یہاں دراوڑی تہذیب کے لوگ آباد تھے جو سنسکرت سے الگ کسی اور زبان میں بات کرتے تھے جو ہر لحاظ سے نہ صرف مکمل تھی بلکہ اس کا اپنا رسم الخط بھی تھا۔ (ڈاکٹر وزیر آغا)۔ لہٰذا جو لوگ سنسکرت کو سرائیکی زبان کا ماخذ قرار دیتے ہیں ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ ماہرین لسانیات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سرائیکی سنسکرت سے قدیم زبان ہے۔ اگر اس بحث کو سچ مان لیا جائے تو پھر سوال ہے کہ سرائیکی یہاں کی قدیم زبان ہے تو اس کا ماخذ کیا ہے؟ کچھ ماہر لسانیات ''سریانی'' زبان کی ایک شاخ ''اسورکی'' کو سرائیکی زبان کا ماخذ قرار دیتے ہیں جبکہ کچھ اسے ''پساچی'' زبان کی ایک قسم ''وارچڈاپ بھرنش'' کو اس کا ماخذ ٹھہراتے ہیں۔ (ماخذ: نئے امکانات از ڈاکٹر شکیل پتافی)۔

چنن پیر: جیسلمیر کے راجہ ''رائے سدھیرن'' کا بیٹا جنوبی پنجاب کی روحانی تاریخ میں ''چنن پیر'' کے نام سے جانا گیا۔ روایت کے مطابق نویں صدی میں حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کا جیسلمیر سے گزر ہوا۔ آپ نے پوچھا یہاں کوئی مسلمان گھرانہ ہے۔ جواب نفی میں تھا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ راجہ کی بیوی حاملہ ہے۔ آپؒ نے پیش گوئی کی کہ ''اس کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہوگا''۔ راجہ کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے فرمان جاری کیا کہ ''بچے کو پیدائش کے فوراً بعد صحرا میں پھینک دیا جائے''۔ رانی کی خواہش پر نومولود کو چندن (صندل) کے پنگھوڑے میں ڈال کر ریت کے ٹیلے پر چھوڑ دیا گیا۔ راجہ کا خیال تھا کہ خوراک کے بنا یہ مر جائے گا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بچہ نہ صرف زندہ رہا بلکہ غیبی طور پر اس کی پرورش کا بندوبست ہوا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر حضرت مخدوم سرخ پوشؒ کے حلقہ نیابت میں شامل ہوا۔ تاحیات اسی ٹیلے پر رہا جہاں اسے چھوڑا گیا تھا۔ آج ان کا مزار فیوض و برکات کا مرکز ہے۔ مقامی انہیں ''دلیل پیر'' کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ مزار سے ملحقہ ایک مسجد ہے۔ موسم بہار میں لگاتار سات جمعرات تک یہاں عرس منعقد ہوتا ہے۔ ان میں پانچویں جمعرات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس جمعرات کو ہر چولستانی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچ جائے۔ ہر طرف انسانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ نظر آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے سارا صحرا امڈ آیا ہو۔ چنن پیرؒ کا عرس ''میلہ بھرنا'' بھی کہلاتا ہے۔

آخری بات: کہنے کو یہ ریگ زار کے سفر کی کہانی ہے۔ یہ خواجہ فریدؒ کی دھرتی ہے۔ یہ امن اور رواداری کی دنیا ہے۔ لوگوں کے لئے یہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا شاید اور کچھ نہیں لیکن میں اپنی آنکھوں سے صحرا کا رومانس، خاموش ہوا کی آواز، جرس (ٹل) کی موسیقی اور سب سے بڑھ کر چاندنی کو چھو آیا ہوں۔ ہر علاقے کی اپنی خوبصورتی، کشش ہوتی ہے لیکن صحرا کی ایک سے زیادہ کششیں ہیں۔ ریت میں اللہ نے کیا جادو بھر دیا ہے کہ جو یہاں، آیا، آسانی سے واپس نہیں گیا۔ یہاں قلعے اب اکیلے کھڑے ہیں (انسان ان کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں) یہاں کے راستے گڈمڈ ہیں۔ یہاں کے درخت اور جڑی بوٹیاں بنا پانی ہی پھوٹ پڑتی ہیں۔ یہاں کا صحرائی جہاز آج بھی آمد و رفت کا بڑا ذریعہ ہے۔ یہاں کے مویشیوں کے گلے سے لٹکے ٹل موسیقی کا وہ راگ سناتے ہیں کہ آپ دم بخود ہو جائیں۔

آخر میں صرف یہ عرض کرونگا کہ شہزاد احمد نے بہاولپور کے متعلق ایسی نایاب کتاب لکھ ڈالی ہے جسے پڑھتے ہوئے ایسے لگتا ہے کہ انسان، ٹھنڈی ریت پر ننگے پاؤں چلتا جا رہا ہے، چلتا جا رہا ہے۔